© rasailojaraid.com

مذاکرہ

دینی مدارس کا نظامِ تعلیم

مرتبہ: خرم مراد

نئی صلیبی جنگ ، دینی مدارس کے دروازوں پر (مئی ۹۵) میں ہم نے مدارس کے خلاف حکومت پاکستان اور مغربی حکومتوں کی مہم اور اس کے اسباب کا مختصر جائزہ پیش کیا تھا۔ ملت کی طرح مدارس بھی بحیثیت مجموعی اس معرکہ آرائی کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔ برادر محترم صاحبِ نظر جانتا ہے کہ دونوں ایک زبردست قوتِ اجتہاد و جہاد کے ذریعے اصلاح تغیر و تبدل اور تعمیرِ نو کر کے ہی اس معرکے میں کامیابی کی توقع کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے مدارس میں تغیر و اصلاح کے موضوع پر ہم قدیم و جدید علما و مفکرین کے افکار کو ایک مذاکرے کی صورت میں مرتب کر کے قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ یہ اعتراف ضروری ہے کہ مختصر سے صفحات میں ایک مذاکرہ جامع نہیں ہو سکتا' اور یہ بھی کہ اس مذاکرے میں بیشتر بحث کا محور نصابِ تعلیم ہے' جبکہ نظامِ تعلیم کے دوسرے پہلو بھی اہم ہیں۔ (مدیر)

۱- مولانا قاسم نانوتوی: ترجمانی 'سید مناظر احسن گیلانی' سوانح قاسمی' ج ۲

حد سے زیادہ تاریک اور مہیب مستقبل کا' جس سے اچانک سرزمینِ ہند میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دوچار ہو گئی تھی' مقابلہ کرنے کے لیے جو میدان میں اترا تھا' وہ جو کچھ ہو سکا کر گزرا۔ یوں اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک مستقل دینی و علمی تحریک کی بنیاد پڑ گئی۔ اپنے بانی کے نام کی نسبت سے اس کی تعبیر چاہیے کہ "قاسمیت" کے نام سے کی جائے۔

دینی تعلیم کا مستقل نظام' اس تحریک کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو ہے' جس کی بنیاد دارالعلوم دیوبند پر قائم ہے۔ مگر جس تعلیمی نظام سے مغرب نے دنیا کو روشناس کرایا ہے' اس میں سے جماعت بندی' امتحان' خصوصاً تحریری امتحان' طلبہ کی حاضری کے رجسٹر اور ازیں قبیل دوسرے لوازم و خواص کے ایک بڑے حصے کو اس دارالعلوم میں نہ صرف قبول کر لیا گیا ہے' بلکہ پوری قوت و احتیاط کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم کی ان جدید خصوصیات کی نگرانی بھی کی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ دیوبند میں عصری یونی ورسٹیوں کی خصوصیات کے شریک ہونے کے اسباب کیا ہوئے؟ کیونکہ مسلمانوں میں تعلیم کا جو طریقہ مروج تھا' اس میں ہم ان جدید خصوصیتوں کو نہیں پاتے' افادیت اور عدم افادیت کی بحث جداگانہ ہے۔

[جہاں تک میرا خیال ہے] 'ہندستان کی نئی حکومت نے جو عربک کالج دلی میں قائم کیا' اس کے صدر مولانا مملوک العلی سے بانی دارالعلوم نے تعلیم حاصل کی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی' اور ان کو دینی زندگی سے منحرف کرنے کی کوششوں کے مقابلے کے لیے دینی علوم کی عمومیت کے لیے کیا کرنا چاہیے' اور نئے حالات کی رو سے تعلیم و تدریس کے نظام میں کن اصلاحات کی ضرورت ہے' ان مسائل کے حل کے لیے دلی عربک کالج کے ماحول میں "نظریات" کو "عملی قالب" میں دیکھنے کے مواقع آپ کو ملے۔ ایسی صورت میں 'کوئی وجہ نہ تھی کہ اجتماعی درس و تدریس کے جس طریقے کا آپ مشاہدہ فرما رہے تھے' اس سے استفادے کی تدبیریں آپ کے دماغ میں نہ آئی ہوں۔

حضرت نے بطور وصیت نامے کے ان بنیادی اصولوں کو قلم بند فرمایا جن پر آپ نے اس دارالعلوم کی بنیاد قائم فرمائی تھی' اور وصیت فرمائی کہ آیندہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں دارالعلوم کے نظم و نسق کی باگ آئے' وہ ان اصولوں کی روح کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔

اسی تحریر خاص میں ایک دفعہ ان الفاظ میں بھی ہے کہ "دارالعلوم کا تعلق عام مسلمانوں سے زائد سے زائد ہو' تاکہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کرے' جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو"۔ گویا دارالعلوم کا مسلمانوں سے "جمہوری تعلق ہو' جو ایک کو دوسرے کا محتاج بنائے رکھے"۔ اسی بنیاد پر آپ آمدنی کے کسی مستقل ذریعے کے قائم کرنے کے خلاف تھے کہ 'حکومت یا کسی رئیس کی دوامی امداد' یا مستقل جائداد' کی صورت میں عام مسلمانوں سے احتیاجی رشتہ دارالعلوم کا باقی نہ رہے گا۔

اسی طرح' دینی زندگی کی حفاظت کے لیے اس جدید تعلیمی نظام میں' حضرت کے نزدیک 'ہمارے قدیم علما کی تدریس و تعلیم کا انفرادی طریقہ قطعاً ناکافی تھا' اور مشاہدے سے اس کی تصدیق بھی ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ 'کیفیت میں ترقی تو اسی طریقے سے ہوتی ہے' لیکن علم کی وسعت اور علما کی تعداد بڑھانے کی واحد صورت یہی ہے کہ درس و تعلیم کے اجتماعی طریقے کو اختیار کیا جائے۔ اس لیے آپ ایسا نظام قائم کرنا چاہتے تھے جس میں حتی الوسع تعلیم کے عصری لوازم اور تقاضوں کو بھی سمونے کی صورت نکالی جائے۔

جس زمانے میں [آپ ان نظریات کے لیے جگہ ڈھونڈ رہے تھے] 'آپ اندازہ ہی نہیں کر سکتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ہمارے قدیم علما کے لیے ان چیزوں ہی کی نہیں بلکہ ان کے تصور کی بھی کیا نوعیت تھی - ان مولویوں کے نزدیک علم کی کیفیت کا مسئلہ تھا' جبکہ آپ کے لیے کیفیت سے زیادہ کمیت اور مقدار کا مسئلہ اہم تھا۔

نظام تعلیم میں سب سے پہلا مسئلہ نصاب تعلیم کا ہے۔ جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس کو دیکھ کر عام رائے یہی قائم ہو سکتی ہے کہ دار العلوم کی تاریخ میں نصاب تعلیم کے مسئلے پر شاید کبھی غور نہیں کیا گیا' من و عن درس نظامیہ کا نصاب قبول کر لیا گیا' اور زمانے کے جدید تقاضوں کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ جو دیکھا جا رہا ہے اس کو دیکھ کر کہنے والے آخر اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ لیکن حضرت کا نقطہ نظر اس باب میں کیا تھا؟ اس کو پیش کرنے سے پہلے چاہیے کہ ایک بات سمجھ لی جائے۔

تعلیمی نصاب کے متعلق سب سے زیادہ اہم سوال یہی ہے کہ یورپ کے جن جدید علوم و فنون اور زبانوں سے آگاہی حاصل کیے بغیر عصر حاضر میں امتیاز و وقار حاصل نہیں کیا جا سکتا' ان کا پیوند دینی علوم سے کیسے قائم کیا جائے۔

اب تو علما کی اکثریت اس سوال کی اہمیت کو محسوس کرنے لگی ہے' لیکن اس مسئلے کا حل پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی کتابیں بھی نصاب میں شریک کرنی چاہئیں؟ یا جدید علوم و فنون سے فارغ ہونے کے بعد اسلامی علوم کے سیکھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ ایک تیسرا احتمال بھی ہے۔ یعنی پہلے مسلمان بچوں کو دینی علوم سے کم از کم وقت میں قدر ضرورت کی حد تک واقف بنا لینے کے بعد ان کو جدید علوم و فنون کی یونی ورسٹیوں میں شریک کیا جائے۔

اب دیکھیے کہ حضرت کا زاویہ نگاہ اس باب میں کیا تھا:

فارغ طلبہ کو سند و انعام دینے کے لیے ۹ جنوری ۱۸۷۴ کو ایک جلسہ دیوبند میں منعقد ہوا تھا۔ "کانووکیشن" طرز کا یہ جلسہ تھا۔ ایک خصوصیت اس جلسے کی یہ بھی نظر آئی کہ فارغ ہونے والے طلبہ سے علم کے کسی خاص موضوع پر امتحانی مقالے لکھوائے گئے تھے۔ یعنی یونی ورسٹیوں کے آخری مدارج میں جیسے مقالے لکھوائے جاتے ہیں' دار العلوم میں تقریباً ایک صدی پہلے یہ سنت جاری ہو چکی تھی' جو افسوس ہے کہ بعد کو جاری نہ رہی۔

اسی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "اب ہم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے کہ در بابِ تحصیل' یہ طریقہ خاص کیوں تجویز کیا گیا۔ یعنی 'علوم جدیدہ کو کیوں نہ شامل کیا گیا۔ منجملہ دیگر اسباب کے' بڑا سبب اس بات کا تو یہ ہے کہ تربیت عام ہو' یا خاص' اس پہلو کا لحاظ چاہیے جس کی طرف سے ان کے کمال میں رخنہ پڑا ہو۔ سو اہل عقل پر روشن ہے کہ آج کل تعلیم

© rasailojaraid.com